حُجّیتِ حدیث

(مولانا مفتی محمد حسین صاحب نعیمی صدر مدرس جامعہ نعیمیہ لاہور)

[یہ مقالہ بزم علوم اسلامیہ کے ہفتہ وار اجتماع میں: اسلامیہ کالج ریلوے روڈ، لاہور کے حبیبیہ ہال میں پڑھا گیا۔ یہ سلسلہ مضمون کی صرف پہلی کڑی ہے۔ اس کے باقی حصّوں کو، یعنی کیا احادیث میں تضاد اور اختلاف پایا جاتا ہے، اور اگر ہے تو اس کی نوعیت کیا ہے اور کیا احادیث غیر عقلی مضامین پر مشتمل ہیں۔ مولانا نے مکمل کرنے کا وعدہ فرمایا ہے ــــ مرتب]

قرآن کریم صرف الفاظ کا نام نہیں ہے بلکہ الفاظ و معانی دونوں پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ اللہ حکیم و خبیر نے قرآنِ کریم کی حفاظت کا جو وعدہ فرمایا ہے کہ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ اس کا تعلق بھی الفاظ و معانی دونوں سے ہے۔ لہٰذا مکمل حفاظت کے لیے ضروری ہے کہ الفاظ کے ساتھ ساتھ اُس کے معنیٰ کا تحفظ بھی ہو۔

لاکھوں انسانوں نے نہ صرف الفاظ قرآن کو اپنے سینوں میں محفوظ کیا بلکہ ترجمانِ وحی صلی اللہ علیہ وسلّم نے ان کے جو معنی و مطالب متعیّن کیے تھے انہیں بھی بڑی احتیاط کے ساتھ اپنے دلوں میں بٹھایا اور پھر ہر دَور میں انہیں تواتر کے ساتھ نقل کرتے چلے آئے۔ یہ وہ طریق ہے جس سے یہ مقدس امانت (قرآن پاک اور کتبِ احادیثِ نبوی)، نسلاً بعد نسلٍ تعلیم و تعلّم، درس و تدریس کے ذریعہ منتقل ہوتی چلی گئی۔

درحقیقت احادیث مبارکہ قرآنِ کریم کی قولی و عملی تفاسیر کا مجموعہ ہے۔ کتابِ الٰہی کے ساتھ رسولوں کے آنے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ کلامِ الٰہی کے معانی و مطالب بھی سمجھاتے جائیں۔ خود قرآن نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کے فرائض اور ان کی بعثت کے اغراض مقاصد بیان کرتے ہوئے

صاف اور واضح طور پر ارشاد فرما دیا کہ:

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ۔

وہ اللہ جس نے اَن پڑھوں میں خود اُنہی میں سے رسول مبعوث فرمایا جو اُن کے سامنے اُس کی آیات تلاوت کرتا ہے اور انہیں پاکباز بناتا ہے اور کتاب کی تعلیم دیتا اور حکمت کے رموز سے آگاہ فرماتا ہے جبکہ لوگ اس سے پہلے کھُلی ہوئی گمراہی میں بتلا تھے۔

مخلوق کو خالق کا پیغام پہنچانا اور اُس کے مطالب بیان کرنا بھی رسول کے فرائض میں شامل ہے چنانچہ ارشادِ خداوندی ہے کہ:

أَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ

یعنی ہم نے آپ کی طرف ذکر اس لیے نازل فرمایا تاکہ آپ لوگوں کے لیے بیان کریں جو اُن کی طرف نازل کیا گیا ہو، شاید وہ غور و فکر سے کام لیں۔

ان آیات کی روشنی میں دیکھا جائے تو رسول کے سوا کسی دوسرے شخص کو قرآن کی تشریح و تفسیر کرنے کا کسی طرح بھی حق نہیں پہنچتا۔ کیونکہ اللہ کے کلام کے اصل معنیٰ یا تو اللہ تعالیٰ قرآن میں خود بیان کرتا ہے کہ ان القرآن یفسّر بعضہٗ بعضاً، یا پھر اس کا رسول جو اللہ سے ہمکلامی کے منصب پر فائز ہے بیان کر سکتا ہے۔ کسی اور شخص کے لیے کلامِ الٰہی کے منشا اور مقصد متعین کرنا ممکن نہیں۔ اور اگر کوئی فرد کلامِ الٰہی کے معنیٰ کے مختلف احتمال بیان کرے تو اس کو "تاویل" کہا جاتا ہے وہ تفسیر نہیں ہے۔ کیونکہ تفسیر کسی کلام کے اُس معنیٰ کو کہتے ہیں جو متکلّم نے کلام سے خود مراد لیے ہوں۔ اسی لیے تفسیر کے ہوتے ہوئے تاویل کا کوئی اعتبار نہیں کیا جاتا۔

علاوہ ازیں یہ حقیقت بھی ناقابلِ انکار ہے کہ کلام کے لب و لہجہ اور اس کے اسلوبِ بیان اور الفاظ کے زیر و بم سے جو مطالب سمجھے جا سکتے ہیں وہ لکھی ہوئی عبارت پڑھنے سے حاصل نہیں ہو سکتے۔ ہمیں تو قرآنِ کریم کے لکھے ہوئے الفاظ ہی پہنچے ہیں مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن براہِ راست

نازل ہوا اور آپ نے کلام کے لب و لہجہ کو بطورِ خود حاملِ وحی سے سنا، اس صورت میں قرآن کے معنیٰ و مطالب کا صحیح ادراک آپ کے سوا دوسرا نہیں کرسکتا۔ اس لیے بھی آپ کے بیان کردہ مطالب و معانی واجب الاتباع لازم العمل ہیں اور آپ کے اعمال و اقوال صحیفۂ ربانی اور احکاماتِ قرآنی کی صحیح تفسیر و تشریح ہو سکتے ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ قرآن کریم کامل و مکمل آسمانی کتاب ہے جس میں تمام علوم و ضوابط مندرج ہیں اور بنی نوعِ انسان کی ہدایت کے لیے آخری دستور العمل ہے۔ مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اس میں تمام روزمرہ کے فقہی مسائل اور ہر پیش آمدہ جزئیات کے احکام علیحدہ علیحدہ درج ہیں اور ہر حکم کی پوری تفصیل موجود ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو قرآن کریم سینکڑوں جلدوں میں نازل ہوتا یہ تیس پارے کیونکر کافی ہو سکتے تھے جو صرف پانچ سو آیات متعلقہ احکام پر مشتمل ہیں۔ تبیان و تفصیل کا صاف اور واضح مطلب یہ ہے کہ قرآن فطرتِ انسانی کے تمام مدارجِ ترقی کے لیے قطعی اصول کا جامع ہے۔ اساسی احکام، بنیادی امور اور کلیات کو شامل ہے۔ بنی نوعِ انسان کے لیے ارتقائی مراحل کی نشاندہی کرتا ہے اخلاقی و عمرانی ضوابط بیان کرتا ہے جن سے بے شمار جزئیات اور ان کے احکامات مستنبط ہو سکتے ہیں۔ احادیثِ مبارکہ انہی کلیات اور اصول کی وضاحت کرتی ہیں اور ان سے آیاتِ قرآنیہ کے مطالب کا تعین اور معنی مقصودی کا تبیّن ہوتا ہے۔

کیا حدیث سے فرقہ بندی اور اختلافِ اُمت کی راہیں کھلتی ہیں؟ یہ ایک عامی اور عقل و خرد سے عاری انسان تو کہہ سکتا ہے مگر جس کو اللہ تعالیٰ نے عقلِ سلیم اور بصیرت و یقین کی دولت سے نوازا ہے وہ یہ گمان نہیں کرسکتا۔ مختلف فرقوں کی نظریاتی تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو ہمیں یہ نظر آتا ہے کہ ہر فکری تحریک کی بنیاد قرآنِ پاک کی آیات پر رکھی گئی ہے اور ہر فرقہ نے سب سے پہلے اپنے نظریات کی تائید میں آیاتِ قرآنیہ سے استناد کیا ہے۔ اور پھر احادیثِ مبارکہ کو دوسرے درجہ میں رکھا ہے۔ خوارج آیات ہی سے استدلال کرتے تھے۔ معتزلہ بھی قرآن کریم کے حوالہ جات سے اپنے مسلک کی تائید کرتے رہے۔ اور اسی طرح اہلِ تشیّع، اہلِ حدیث، اہلِ سنت اپنے اپنے مذاہب کی تائید میں قرآن کریم سے استدلال کرتے ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس

ہر فرقہ اور ہر جماعت پہلے قرآن ہی کو سند میں لاتی ہے۔ اندریں حالات امّت کے اختلاف و افتراق کی وجہ صرف احادیثِ مبارکہ کو قرار دینا دیانت وصداقت کے منافی ہے۔ منکرینِ حدیث کا یہ اتہام ہے، ایک حربہ ہے جو وہ احادیث کے خلاف استعمال کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اختلافِ امت کو روکنے کے لیے حدیثِ رسول ہی بہترین علاج ہے، تاکہ تمام امّتِ مُسلمہ قرآنِ کریم کی اس توضیح وتفسیر پر متفق ہو کر عمل پیرا ہو جو اللہ کے رسول نے بیان کی ہیں۔ اور اگر ہر فرد بشر قرآن کی تفسیر، تشریح، معانی ومطالب اپنی اپنی رائے اور عقل سے کرنا چاہے تو ہم قرآنِ پاک کی مرکزی تعلیم سے دُور ہوتے جائیں گے۔ حالانکہ تمام انسان یکساں فہم وفراست نہیں رکھتے اور سب کی استعداد برابر نہیں۔ ایسی صورت میں امّت میں افتراق وانتشار کی وسیع خلیج کا اور زیادہ وسیع ہو جانا ایک لازمی نتیجہ ہے۔

کیا احادیثِ مبارکہ ثابت اور محفوظ نہیں ہیں؟ جنابِ رسالت مآب علیہ التحیۃ والصلوٰۃ کا معجزہ ہے کہ عرب کے ان پڑھ اور سخت کوش انسانوں کو ایسی تربیت، تعلیم اور فیضِ صحبت سے نوازا جس سے وہ حضرات اتقاء، زہد، اخلاص، سلامتِ طبع، جودتِ ذہن، صفاءِ باطن، صبر واستقلال اور محبتِ رسولؐ کے اس درجہ پر پہنچ گئے کہ آج ان کی نظیر صفحۂ عالم پر نہیں مل سکتی۔ سچ ہے اِذَا اَرَادَ اللّٰہُ اَمْرًا ھَیَّأَ اَسبابَہٗ۔ یعنی جب اللہ کسی کام کو پُورا کرنا چاہتا ہے تو اس کے اسباب بہم پہنچا دیتا ہے۔ حضور علیہ السّلام کے اقوال وافعال کی روایت کرنے کے لیے پاک باز وپاک طینت اہلِ ایمان، مردانِ خدا، صحابۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کو منتخب فرمایا جو آپ کی ہر ادنیٰ سے ادنیٰ بات کو نہایت غور سے مطالعہ کرنے کے عادی تھے اور آپ کی روش پر عمل پیرا ہونے کو باعثِ نجاتِ اُخروی سمجھتے تھے، صرف بغرضِ عمل ہی ضبط نہیں کرتے تھے بلکہ وہ جانتے تھے کہ تبلیغِ احکام اور تعلیمِ اسلام بجائے خود ایک عظیم فرض اور ثواب ہے۔ ان صحابہ کرام نے آپ کے اقوال، حرکات وسکنات کو بگوشِ بصیرت سنا اور بچشمِ عبرت ملاحظہ کیا۔ اور پوری دیانت اور امانت کے ساتھ بے کم وکاست اپنے بعد کے تابعین تک پہنچایا۔ پھر ان تابعین کرام نے نہایت عرق ریزی اور جانفشانی کے ساتھ احادیث قلمبند کیں۔ اُنہی کی کاوشوں کا ثمرہ ہے کہ آج ہم بلا دقت دینی سرمایہ اور ربانی ہدایات سے مستفید ہو رہے ہیں۔ جس قدر تنقیح اور تحقیقِ احادیث

کے بارے میں ان بزرگوں نے کی ہیں یقیناً کسی مذہب میں اس کی مثال موجود نہیں بلکہ ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ اس سے زیادہ تحقیق و تنقید ممکن ہی نہیں۔ انہی برگزیدہ ہستیوں نے علمِ اسماء الرجال کی بنیاد ڈالی تاکہ رُواۃِ حدیث کے حالات اور اُن کا علمی معیار، حفظ و ضبط، اتقاء و اخلاق وغیرہ امور کا پتہ لگ سکے۔ اور اصولِ حدیث و اقسامِ حدیث بڑی وضاحت سے مرتّب فرماتے۔ متواتر، مشہور، عزیز، غریب، مرفوع، موقوف، متصل، منقطع، مرسل، مقطوع وغیرہ اقسام قائم کرکے ہر ایک حدیث کی حجیّت کا موازنہ کیا۔ تطبیق و ترجیح کے قواعد مقرر کیے۔ موضوع و ضعیف، ثابت و قوی کی پوری پوری توضیح کی جس سے ملحدوں کی تمام موضوع اور غلط احادیث علیٰحدہ ہوگئیں۔ صحیح و سقیم میں امتیاز قائم ہوگیا۔ علمِ حدیث کی تنقیح و تکمیل کے لیے کئی علوم ایجاد کیے۔ جن کے موجد ہی محدثین و مجتہدین ہیں۔ مثلاً:۔

اصولِ حدیث اس علم میں کتاب و سنّت سے مسائل و احکام استنباط کرنے کے ضابطہ اور اصول بیان کیے گئے ہیں اور تعارُضِ اَدلّہ کے وقت تطبیق اور ترجیح کے قواعد کا ذکر ہے۔

علمِ درایت اس میں ان اصول کو مرتب کیا گیا ہے جن کے ذریعہ متنِ حدیث کا حال معلوم ہوسکے۔ یہ اصول سو سے زائد ہیں۔ اس علم میں محدث زیادہ تر ممارست اور مداولتِ احادیث کی وجہ سے ایک ذوقی کیفیت سے مدد لیتا ہے۔

علم نظر فی الاسناد اس میں حدیث کی سند پر بحث کی جاتی ہے اور سند کے اتصال و انقطاع کا پتہ چلایا جاتا ہے اور اس کا معیار قائم کیا جاتا ہے۔

علمِ روایت اس میں طرق روایت سے بحث کی جاتی ہے اور دیکھا جاتا ہے کہ حدیث کی روایت بالسمع ہے یا بالقرأت ہے یا بالمشاہدہ یا بالاجازت ہے وغیرہ۔

علم طبقات الحدیث اس میں حدیث کے درجات بیان کیے جاتے ہیں اور بتلایا جاتا ہے کہ زیر بحث حدیث کا راوی طبقاتِ اربعہ میں سے کس طبقہ کا ہے۔

علم الجرح والتعدیل اس علم میں راوی کے مجروح و مطعون ہونے کے اسباب ذکر کیے جاتے ہیں۔ اور راویوں کے عدل، ثقاہت، حفظ اور ضبط و فہم کا بیان کیا جاتا ہے۔

علمِ عللِ حدیث | یہ علم نہایت ہی دقیق اور عمیق ہے۔ اس میں وفیات، موالید، مواطن، القاب اور اسماء کے علاوہ راوی کے الفاظِ حدیث کی بحث کی جاتی ہے۔

علمِ تصحیف اسماء | ہم شکل ناموں کی تشریح۔ مترادف و مشترک اسماء کا امتیاز، قرائن کے ذریعہ حاصل کرنے کے ضابطے بیان کیے جاتے ہیں۔

علمِ اسماء الرجال | یہ علم راویانِ حدیث کی سوانح عمری اور تاریخ ہے۔ اس میں راویوں کے نام، لقب، حسب و نسب، علم و فضل، دیانت و تقویٰ، حفظ و ذکاوت، صحت و مرض، شباب، شیاب، ملاقات اور معاصرانہ پہلوؤں کا بیان ہوتا ہے۔

کوئی قوم اور کوئی ملت دنیا میں ایسی نہیں گزری جس نے اسماء رجال جیسا عظیم الشان فن ایجاد کیا ہو اور راویوں کی زندگی کے ہر پہلو اور بے شمار شخصیتوں کے تمام عادات و اطوار، احوال و کوائف اتنی تفصیل کے ساتھ مدون کیے ہوں جس کی بدولت آج ۵ لاکھ راویوں کا حال معلوم ہو سکتا ہے۔ اس فنِ شریف کی وجہ سے صحیح و غیر صحیح روایت کا امتیاز بآسانی حاصل ہو جاتا ہے۔

ایک مرتبہ امام عبداللہ حاکم سے ایک شخص نے حدیث بیان کی، حاکم نے دریافت کیا کہ یہ حدیث تم نے کب سنی اور کس سے سُنی۔ اس شخص نے کہا کہ عبداللہ ابن حمید سے فلاں سن میں سُنی ہے۔ امام نے اپنے شاگردوں کی طرف دیکھ کر فرمایا "عبداللہ ابن حمید اس کے بیان کردہ وقتِ روایت سے سات سال پہلے انتقال کر چکے ہیں لہٰذا یہ حدیث صحیح نہیں۔ اسی طرح خلیفہ ہارون الرشید کے دربار میں خیبر کے یہودیوں نے ایک دستاویز پیش کی جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب تھی۔ اس میں لکھا تھا کہ خیبر کے یہودیوں کو جزیہ معاف ہے۔ یہ دستاویز جب مُحدثین کے سامنے پیش ہوئی تو انہوں نے بتایا کہ یہ جعلی ہے کیونکہ اس پر حضرت سعد ابن معاذ کی گواہی ہے اور آپ غزوۂ خندق کے بعد وفات پا گئے تھے اور خیبر اس وقت تک فتح نہیں ہوا تھا لہٰذا اس دستاویز پر سعد ابنِ معاذ کی شہادت درست نہیں۔ دوم یہ کہ دستاویز پر کاتب کا نام معاویہ ابن ابوسفیان لکھا ہے اور حضرت معاویہ فتح خیبر تک اسلام نہیں لائے تھے۔

اس دستاویز کی غلطی علم اسماء رجال کی مدد سے ظاہر ہوئی۔ اسی طرح حدیث کی تحقیق و تنقید میں علم اسماء رجال نہایت کارآمد ثابت ہوتا ہے۔ اور اس سے حدیث کی صحت اور ضعف کا بآسانی پتہ چل جاتا ہے۔ محدثین کرام نے اسی علم کے ذریعہ موضوع، ضعیف، قوی، متصل، منقطع، مرسل، مقطوع وغیرہ احادیث چھانٹ کر رکھ دی ہیں اور اب حدیث کے درجات معلوم کرنے میں کوئی دشواری باقی نہیں رہی۔ اس فن میں سب سے پہلی تصنیف شیخ یحییٰ ابن قطان المتوفی ۱۹۸ھ کی ہے۔ امام بخاری و مسلم نے بھی اس فن میں کتابیں لکھی ہیں۔ علمائے بخارا نے ایک مرتبہ امام محمد بن اسماعیل بخاری کے امتحان کے لیے دس محدث منتخب کیے اور ہر ایک کو دس دس احادیث اس طرح پیش کرنے کو کہا کہ حدیث کی اصل سند سے نہ سنایا جائے بلکہ ایک صد احادیث کی اسناد آپس میں تبدیل کر کے لگائیں اور باری باری سے دس آدمی دس دس حدیثیں بدلی ہوئی سند سے امام بخاریؒ کو سنا کر ان کی تصحیح کرائیں۔ جب ہر ایک نے دس دس احادیث سنا دیں تو امام بخاری نے فرمایا کہ یہ احادیث ان راویوں سے مجھے معلوم نہیں۔ ان احادیث کے اصل راوی اس طرح ہیں اور ہر حدیث کے اصل راویوں کو متن حدیث سے لگا دیا اور پھر حافظہ کا یہ کمال دکھایا کہ جس ترتیب سے وہ سو احادیث سنی تھیں اسی ترتیب سے احادیث کی تصحیح کر کے دہرائیں۔

گویا امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اسماء رجال کو اس قدر جانتے تھے اور راویانِ حدیث کو اس طرح پہچانتے تھے کہ ہر راوی کا سلسلہ اور اس کی بیان کردہ احادیث ان کے سامنے موجود تھیں۔ اسی قسم کے محدثین کی بیان کردہ احادیث میں بہت کم غلطی کا امکان ہے کیا ان حالات کے پیش نظر یہ کہنا صحیح ہو گا کہ احادیث محفوظ نہیں اور ان کا کوئی اعتبار نہیں؟

اس موقع پر مجھے چند معروضات اور بھی پیش کرنی تھیں جن میں یہ بتلانا تھا کہ کیا احادیث میں تضاد اور اختلافِ معانی پایا جاتا ہے اور اگر ہے تو اس کی کیا نوعیت ہے اور یہ کہ کیا احادیث غیر عقلی مضامین پر مشتمل ہیں اور کیا وہ کسی طرح عقلِ سلیم کے مطابق ثابت کی جا سکتی ہیں؟ وقت نہ ملنے کی وجہ سے ان پہلوؤں کو کسی دوسرے موقع کے لیے اٹھا رکھتا ہوں۔